تفہیم معانی قرآن کے وسائل وذرائع

(الموافقات از شاطبی کی کتاب الادلۃ الشریعۃ کے تناظر میں)

سونیا حنیف*

ڈاکٹر محمد فاروق حیدر*

Imam Shatibi is an eminent Muslim theologian and jurist of eighth century after Hijra. His everlasting book Al- Muafqat on the principles of Shariah is one of primary sources in its field from his era to current age. This unique book contains diversity of subjects and methodologies. The book is also significant as Objectives of Shariah have been discussed in a new paradigm very first time in the field of Islamic jurisprudence. Shatibi has proved mostly his standpoint with arguments from last book of Allah; the Quran. The book is divided into five portions. Fourth portion is written on Sources of Shariah that contains discussions upon the Quran and Sunnah. While describing the first source (Al-Qura'n), Imam Shatibi elucidated some important discussions to understand the meaning of Qur'ansuch as Causes of Revelation, Abrogation in Qur'an and Explicit and implicit Meaning of The Qur'an. The article has been written to analyze Shatibi's view about these particular Quranic Sciences.

امام شاطبی کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے جید اور نامور علماء میں ہوتا ہے۔ آپ نے اپنی معرکۃ الآراء تصانیف کے ذریعے نہ صرف اندلس کی تاریخ میں شہرت پائی بلکہ پوری مسلم دنیا کو متاثر کیا۔ یوں تو آپ کی تمام تالیفات ہی اپنے اپنے مضامین کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں البتہ جو مقام و دوام الموافقات کو حاصل ہوا وہ آپ کی کسی اور کتاب کے حصہ میں نہیں آیا۔ اس کتاب میں علامہ نے اصول فقہ کے ساتھ مقاصد شریعہ کو بھی پیش نظر رکھا۔ الموافقات کو اپنے اسلوب کی ندرت اور مضامین کے تنوع کے باعث کتب اصول میں منفرد مقام حاصل ہے۔ کتاب الموافقات بعد کے اصولیین اور فقہاء کے لئے ایک بنیادی ماخذ و مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متاخرین نے مختلف انداز سے اس کتاب کو موضوع تحقیق بنایا اور امام شاطبی کی فقہی بصیرت اور مجتہدانہ آراء سے مختلف جہات سے بحث کی۔

الموافقات امام شاطبی کی بے پناہ محنت و جانفشانی اور عمر بھر کے تدبر و تفکر کا حاصل ہے اس بات کا اندازہ ان کلمات سے لگایا جاسکتا ہے جس کا اظہار آپ نے کتاب الموافقات کے مقدمہ میں کیا۔

*لیکچرار شعبہ اسلامیات، ایجوکیشن یونیورسٹی، لاہور۔

*ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور۔

ایسے موقع پر سوچ بچار کرنے والے ناظر کے لئے ضروری ہے کہ اگر وہ کہیں نقص دیکھے تو اسے مکمل کر دے اور اس شخص سے حسن ظن رکھے جس نے اس کام میں طویل مدت صرف کی اور اپنی راحت کو تھکن سے اور نیند کو جگراتے میں تبدیل کرنا گوارا کیا یہاں تک کہ عمر بھر کا نتیجہ طالب کے سامنے رکھ دیا اور اپنے زمانے کا گوہر عطا کیا حتی کہ جو کچھ اس کے پاس تھا اس کی چابیاں اس کے سامنے رکھ دیں اور جو امانت اس کے پاس تھی وہ اس نے قاری کے گلے میں ڈال دی اور جو ذمہ داری اس پر واجب تھی اس سے وہ عہدہ برا ہو گیا چونکہ اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے نیت کی تھی۔[۲]

علامہ موصوف نے کتاب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جس کی وضاحت کتاب کے آغاز میں یوں کی گئی۔

الأول: فى المقدمات العلمية المحتاج اليها فى تمهيد المقصود

والثانى: فى الأحكام و مايتعلق بها من حيث تصورها والحكم بها او عليها كانت من خطاب الوضع او من خطاب التكليف

والثالث: فى المقاصد الشرعية ومايتعلق بها من الاحكام۔

والرابع: فى حصر الأدلة الشرعية وبيان ما ينضاف الى ذلك فيها على الجملة وعلى التفصيل وذكر ماخذها وعلى أى وجه يحكم بها على أفعال المكلفين۔

والخامس: فى احكام الاجتهاد والتقليد والمتصفين بكل واحد منهما ومايتعلق بذلك من التعارض والترجيح والسؤال والجواب[۳]

۱۔ ایسے علمی مقدمات جن میں مقصود کی تمہید کی ضرورت پیش آتی ہے۔

۲۔ احکام اور ان کے متعلقات (جیسا کہ ان کا تصور ہے) کا حکم نیز یہ کہ ان احکام میں خطاب بطور تکلیف شرعی ہے یا بطور تمہید وابتداء۔

۳۔ شرعی نکتہ نگاہ سے شریعت کے مقاصد اور ان سے متعلقہ احکام۔

۴۔ ادلہ شرعیہ کون کون سی ہیں اور ان پر مفصلاً یا مجملاً کیا کچھ اضافہ کیا جا سکتا ہے ان احکام کے ماخذ۔ نیز یہ کہ کس بناء پر مکلفین کے افعال پر حکم لگایا جا سکتا ہے۔

۵۔ اجتہاد و تقلید نیز مجتہدین اور مقلدین کے احکام اور ان کے متعلقات مثلاً تعارض، ترجیح اور سوال و جواب۔

پہلا حصہ اصول فقہ کی تعریف ہے جو کہ تمہیدی بحث ہے دوسرا حصہ علم الاحکام پر مبنی ہے تیسرے حصے کا موضوع خاص مقاصد شریعت ہے جبکہ چوتھا حصہ مصادر شریعہ کی تفصیل سے متعلق ہے پانچواں حصہ مسئلہ اجتہاد پر مشتمل ہے۔

شارع کی مرضی ومنشاء کو معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی نازل کردہ شریعت کا فہم حاصل کیا جائے۔ اس ضمن میں دیگر اصولیین کی طرح امام شاطبیؒ نے بھی قلم کشائی کی اور کتاب کے حصہ چہارم میں مصادر شریعہ کے تحت وہ وسائل وذرائع بیان کئے جن سے قرآن مجید کے معنی ومفہوم کے تعین میں مدد ملتی ہے۔ یہاں ان میں سے سبب نزول، ناسخ ومنسوخ اور قرآن مجید کے ظاہر وباطن جیسے نمایاں ابحاث میں امام شاطبی کی آراء اور افکار کا جائزہ لیا جائے گا۔

ا۔ اسباب نزول کی بحث میں امام شاطبی کا اسلوب

تفہیم معانی قرآن کا ایک اہم ذریعہ سبب نزول کا علم ہے اس علم کی معرفت کے بغیر قرآن مجید کی بعض آیات کا مفہوم سمجھ میں نہیں آسکتا لہذا قرآن کے معانی ومطالب کو اس علم کے بغیر سمجھنا مشکل و دشوار ہے۔ اسباب نزول کی پہچان فہم قرآن کے لئے کس قدر اہم اور ضروری ہے اس کا اندازہ آئمہ کے اقوال سے لگایا جاسکتا ہے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

معرفة سبب النزول یعین علی فهم الآیة فان العلم بالسبب یورث العلم بالمسبب [4]

سبب نزول کی معرفت آیات کے سمجھنے میں مدد دیتی ہے کیونکہ سبب کے علم سے مسبب کا علم حاصل ہونا ضروری ہے۔

علامہ سیوطی نے اپنی کتاب الاتقان فی علوم القرآن میں امام واحدی کا قول نقل کیا ہے۔

لایمکن تفسیر الآیة دون الوقوف علی قصتها وبیان نزولها [5]

کسی آیت کے قصہ اور سبب نزول کو جانے بغیر اس کی تفسیر کرنا ممکن نہیں۔

امام شاطبی نے ادلہ شریعہ کی بحث کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے حصے میں دلائل کا اجمالی تعارف پیش کیا جبکہ دوسرے حصے میں تفصیلی دلائل کو تفصیلاً بیان کیا۔ تفصیلی دلائل کو بیان کرتے وقت اصل الاصول مآخذ قرآن مجید کی عظمت وفضیلت کو بیان کیا اور قرآن میں تدبر وتفکر پر زور دیا نیز فہم

قرآن کے ذرائع کو بیان کرتے وقت یہ نکتہ اٹھایا کہ فہم قرآن کے لئے سب سے ضروری چیز تنزیل کے اسباب کی معرفت ہے جو شخص بھی قرآن کے علوم کو جاننا چاہتا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسباب نزول کی معرفت حاصل کرے۔ اپنے اس موقف کی تائید میں آپ نے دو وجوہات بیان کیں۔

أحدهما: أن علم المعانی والبیان الذی یعرف به اعجاز نظم القرآن فضلاً عن معرفة مقاصد كلام العرب انما مداره علی معرفة مقتضیات الأحوال حال الخطاب من جهة نفس الخطاب او المخاطب، أو المخاطب، أو الجمیع اذ الكلام الواحد یختلف فهمه بحسب حالین وبحسب مخاطبین، وبحسب غیر ذلك، كالاستفهام لفظه واحد، ویدخله معان أخر من تقریر وتوبیخ وغیر ذلك وكالأمر یدخله معنی الاباحة والتهدید والتعجیز وأشباهها ولا یدل علی معناها المراد الا الأمور الخارجة وعمدتها مقتضیات الأحول ولیس كل حال ینقل ولا كل قرینة تقترن بنفس الكلام المنقول واذا فات نقل بعض القرائن الدالة فات فهم الكلام جملة أو فهم شیء منه ومعرفة الأسباب رافعة لكل مشكل فی هذا النمط فهی من المهمات فی فهم الكتاب بلا بد ومعنی معرفة السبب هو معنی معرفة مقتضی الحال، وینشأ عن هذا الوجه۔[6]

پہلی وجہ: معانی اور بیان کا وہ علم ہے جس سے کلام عرب کے مقاصد کی معرفت کے علاوہ قرآن کے نظم کا اعجاز معلوم ہوتا ہے اور اس علم کا مدار صرف احوال کے مقتضیات پر ہے: کہ نفس خطاب کی رو سے خطاب کیسا ہے یا خطاب کرنے والا کون ہے یا سب لوگ ہیں کیونکہ کلام ایک ہی ہوتا ہے جس کا مفہوم، احوال، مخاطبین اور دوسرے امور کے لحاظ سے مختلف ہو جاتا ہے جیسے استفہام کہ اس کا لفظ ایک ہوتا ہے لیکن اس میں اثبات اور سرزنش اور کئی دوسرے مفہوم داخل ہو جاتے ہیں جیسے امر کے صیغہ میں اباحت، دھمکی، عاجز بنانا اور ایسے ہی کئی دوسرے مفہوم داخل ہوتے ہیں اور اس سے مرادی معنی پر دلالت کرنے والے امور خارجہ کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہوتی اور ان خارجی امور میں سے سب سے بڑی چیز احوال کے مقتضیات ہیں اور یہ تو بہت مشکل بات ہے کہ منقول کلام کے ساتھ ساتھ ہر حال اور ہر قرینہ بھی نقل کیا جائے اور اگر بعض ایسے دلالت کرنے والے قرائن جن کو نقل نہ کیا جائے تو کلام کا مفہوم ہی سارے کا سارا یا اس کا کچھ حصہ فوت ہو جاتا ہے اس انداز کی ہر مشکل کو دور کرنے والی چیز اسباب کی معرفت ہے۔ لہٰذا کتاب اللہ کے فہم میں یہ چیز یقیناً نہایت اہم ہے اور سبب کی معرفت سے مراد حال کے مقتضٰی کی معرفت ہے یعنی اس وجہ سے یہ بات پیدا ہوئی۔

الوجه الثانی وهو أن الجهل بأسباب التنزیل موقع فی الشبه والاشكالات ومورد للنصوص الظاهرة مورد الاجمال حتی یقع الاختلاف، وذلك مظنة وقوع النزاع۔[7]

دوسری وجہ: یہ ہے کہ تنزیل کے اسباب سے لاعلمی، شبہ اور اشکالات پیدا کرتی ہے اور ظاہرہ نصوص کے مقام کو اجمال کا مقام بنادیتی ہے حتی کہ اختلاف واقع ہوتا ہے جو نزاع بن جانے کا مظنّہ ہے۔

سبب نزول کی تفہیم سے آیت کا مصداق معلوم ہوتا ہے اس بارے آپ نے روایت نقل کی ہے:۸

کہ مروان نے اپنے دربان کو ابن عباس کے پاس بھیجا اور اسے کہا کہ ابن عباس سے پوچھو کہ اگر ہر شخص کو جو کچھ دیا گیا ہے اس پر وہ خوش ہو اور یہ چاہتا ہو کہ ایسے کام پر اس کی تعریف کی جائے جو اس نے کیا نہیں اگر ایسا شخص قابل سزا ہے تو ہم سب لوگ قابل سزا ہیں ابن عباس کہنے لگے: تمہارا اس آیت سے کیا تعلق ہے؟ معاملہ تو صرف یہ تھا کہ نبیؐ نے یہود کو بلایا اور ان سے کوئی بات پوچھی وہ اصل بات کو چھپا گئے اور اِدھر اُدھر کی باتیں بتلانے لگے۔ انہیں یہ خیال تھا کہ جو کچھ ان سے آپ نے پوچھا اور اس کا جو جواب انہوں نے دیا اس پر انہیں داد بھی ملے گی اور جو کچھ انہیں علم دیا گیا تھا اسے چھپانے پر وہ خوش تھے پھر ابن عباس نے یہ آیت پڑھی:

وَاِذْ اَخَذَ اللهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ. گ اِلٰى قَوْلِهٖ. گ وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا۹، ۱۰

اور اللہ تعالیٰ نے عہد لیا اہل کتاب سے کہ اس کو بیان کروگے .... تا آنکہ فرمایا.... اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کی ایسے کام پر تعریف کی جائے جو انہوں نے کیا نہیں۔

اس سبب نے یہ وضاحت کر دی کہ اس آیت سے مقصود وہ نہ تھا جو مروان سمجھا.... لہٰذا جب سبب معلوم ہو جائے تو مرادی معنی متعین ہو جاتے ہیں۔۱۱

گویا شان نزول سے غفلت آیت کے مقصود تک پہنچنے میں مانع ہے جیسا کہ علامہ نے بیان کیا۔

أن الغفلة عن أسباب التنزيل تؤدى الى الخروج عن المقصود بالآيات۔ ۱۲

شان نزول سے غفلت آیات کے مقصود سے نکل جانے کی طرف پہنچا دیتی ہے۔

امام صاحب نے درج ذیل روایات سے بھی استدلال کرتے ہوئے سبب نزول کی اہمیت کو واضح کیا:

حضورؐ نے فرمایا کہ چار آدمیوں سے قرآن سیکھو۔۱۳

ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں جنھوں نے اپنے خطبہ میں فرمایا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے اصحاب جانتے ہیں کہ میں ان لوگوں سے ہوں جو اللہ کی کتاب کو خوب جاننے والے ہیں۔۱۴

حضرت ابن مسعودؓ سے ہی یہ روایت بھی منقول ہے:

اس ذات کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں کتاب اللہ کی کوئی سورت ایسی نہیں جس کے متعلق مجھے یہ علم نہ ہو کہ کہاں نازل ہوئی اور کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نازل نہیں ہوئی جس کے متعلق مجھے یہ علم نہ ہو کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور مجھے معلوم ہو جائے فلاں شخص اللہ کی کتاب کا مجھ سے زیادہ عالم ہے اور اونٹ (سواری) وہاں پہنچ سکتا ہو تو میں ضرور اس کے ہاں پہنچ جاؤں۔ ۱۵

امام صاحب نے ان روایات سے یہ نتیجہ اخذ کیا:

وهذا يشير الى أن علم الأسباب من العلوم التي يكون العالم بها عالماً بالقرآن۔ ۱۶

یہ باتیں اس طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اسباب کا علم ان علوم میں سے ہے جن کا عالم ہی قرآن کا عالم کہلانے کا حقدار ہے۔

اسی طرح بہت سی روایات بطور مثال نقل کرنے کے بعد آپ نے یہ بھی ثابت کیا کہ:

اگر سبب کا ذکر چھوڑ دیا جائے تو نازل شدہ آیت کے معنی معلوم نہیں ہوسکتے سوائے اس کے احتمالات راہ پائیں اور اشکالات متوجہ ہوں۔ ۱۷

اسی بحث میں حضرت حسنؓ کا قول نقل کیا کہ: اللہ تعالیٰ نے جو آیت بھی نازل کی ہے اس کے متعلق وہ چاہتا ہے کہ معلوم کیا جائے کہ وہ کس کے حق میں اتری ہے اور اس سے اللہ کی مراد کیا ہے؟ ۱۸ اس قول سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ اس مقام کے لئے نص ہے جو علم الاسباب سیکھنے کی رغبت دلانے پر اشارہ کرتی ہے۔ ۱۹ کیونکہ قرآن مجید خالص عربی زبان میں نازل ہوا اس لئے اس کے فہم کے لئے ضروری ہے کہ تنزیل کے وقت عربوں کے اقوال وافعال کو بھی جانا جائے۔

اس بارے علامہ شاطبی نے لکھاہے:

ومن ذلك معرفة عادات العرب في أقوالها وأفعالها ومجارى احوالها حالة التنزيل وان لم يكن ثم سبب خاص لا بد لمن أراد الخوض في علم القرآن منه، والا وقع في الشبه والاشكالات التي يتعذر الخروج منها الا بهذه المعرفة۔ ۲۰

یعنی جو شخص علم القرآن میں غور کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لئے تنزیل کے وقت کے عربوں کے اقوال وافعال میں ان کی عادات اور طور طریقوں کی معرفت بھی ضروری ہے خواہ اس کا کوئی خاص سبب نہ ہو ورنہ وہ ایسے اشکالات میں پڑ جائے گا جس سے نکلنا اس کی معرفت کے بغیر مشکل ہو جائے گا۔

اپنے اس موقف کی دلیل میں آپ نے کئی قرآنی شواہد پیش کئے جیسے:

مثال اول۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰہِ ۲۱ اس آیت کی آپ نے یوں وضاحت کی : یہاں اللہ نے صرف اتمام (پورا کرنے) کا حکم دیا ہے اصل حج کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ حج تو وہ اسلام سے پہلے بھی کرتے تھے لیکن بعض شعائر کی تبدیلی سے اور کچھ کرتے ہی نہ تھے جیسے وقو ف عرفہ وغیرہ جنہیں انہوں نے تبدیل کر ڈالا تھالہٰذا ان کے پورا کرنے کا حکم دیا اور حج کے واجب ہونے کا حکم تو اس آیت کی رو سے آ ہی چکا تھا۔ وَلِلّٰہِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ ۲۲ اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر کہ وہ بیت اللہ کا حج کریں۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا تو خود بخود یہ واضح ہو جائے گا کہ اس آیت میں دلیل جمع کے وجوب پر ہے یا عمرہ کے وجوب پر ؟ یا نہیں ہے۔ ۲۳

مثال دوم۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرَى ۲۴ بطور استدلال یہاں اس آیت کو لانے کے بعد لکھتے ہیں: یہاں صرف اس ستارہ کی تعیین کی جس کی عرب عبادت کرتے تھے اور وہ خزاعہ تھے ابو کبشہ نے ان کو اس راہ پر ڈالا تھا اس ستارے کے علاوہ عرب دوسرے ستاروں کو نہیں پوجتے تھے لہٰذا اسی کا نام لیا گیا۔ ۲۵

امام شاطبی نے آیت میں لفظ شعری جو کہ ایک ستارے کا نام ہے، کے استعمال کی وجہ وحکمت بیان کی جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آیت کے مفہوم کو پوری طرح جاننے کے لئے نزول قرآن کے وقت کے عربوں کے احوال وعادات کا جاننا بھی ضروری ہے۔

حاصل بحث یہ کہ تنزیل کے اسباب سے لاعلمی، شبہ اور اشکالات پیدا کرتی ہے اور ظاہرہ نصوص کے مقام کو اجمال کا مقام بنا دیتی ہے۔ لہٰذا فہم قرآن کے لئے سب سے بنیادی چیز تنزیل کے اسباب کی معرفت ہے کیونکہ سبب نزول کی معرفت ہی آیات کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ مزید یہ کہ جو شخص علوم القرآن میں غور کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لئے تنزیل کے وقت کے عربوں کے اقوال و افعال اور انکی عادات واطوار کی معرفت بھی ضروری ہے خواہ اس کا کوئی سبب نہ ہو۔

ب۔ نسخ فی القرآن کی بحث میں امام شاطبیؒ کا اسلوب

نسخ فی القرآن شریعہ اسلامیہ کی وہ بحث ہے جسے اصولیین، مفسرین اور ماہرین علوم القرآن نے موضوع تحقیق بنایا اور اس پر کئی جہات سے کلام کیا۔ امام شاطبی نے بھی اس علم سے مدلل بحث کی اور اس کو کل چار مسائل میں تقسیم کرتے ہوئے کئی اصول و قواعد واضح کئے۔

مسئلہ اول: کلیات وجزئیات کی تقسیم

امام شاطبیؒ کے نزدیک مکہ میں جو قرآن نازل ہوا اس کا اکثر حصہ دین اسلام کے قواعد وکلیہ پر مشتمل تھا اس حصے میں بنیادی طور پر ایمانیات کی تعلیم دی گئی اور عقائد کو مضبوط کیا گیا۔ چنانچہ مدینہ میں قرآن کے جس حصے کا نزول ہوا اس میں ان قواعد وکلیہ کی جزئیات کو بیان کر کے ان کلی اصولوں کو جو مکہ میں نازل ہوئے، بتدریج مکمل کیا۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں:

اعلم أن القواعد الكلية هي الموضوعة أولا والذى نزل بها القرآن على النبى ﷺ بمكة ثم تبعها أشياء بالمدينة كملت بها تلك القواعد التى وضع أصلها بمكة - وكان اولها الايمان بالله و رسوله واليوم الاخر، ثم تبعه ما من الاصول العامة، كالصلاة و انفاق المال و غير ذلك--- وانما كانت الجزئيات المشروعات بمكة قليلة، والاصول الكلية كانت فى النزول و التشريع اكثر -٢٦

یہاں آپ نے اس امر کی وضاحت کی:

جب آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اسلامی مملکت وسیع ہوئی تو یہ کلی اصول بتدریج مکمل ہو گئے جیسے باہمی صلح و آشتی معاہدوں کو پورا کرنا، نشہ آور چیزوں کی تحریم اور حدود کا نفاذ جن سے ضروری امور کی اور ان کی جو اسے مکمل اور خوبصورت بناتے ہیں، حفاظت ہوتی ہے اور تخفیفات اور رخصتوں سے تنگی کو ختم کرنا اور اس سے ملتے جلتے امور جو سب کے سب کلی امور کی تکمیل ہیں۔ ٢٧

آپ کے نزدیک نسخ کا اکثر حصہ مدینہ میں واقع ہوا۔

فالنسخ انما وقع معظمه بالمدينة، لما اقتضته الحكمة الالهية فى تمهيد الاحكام--- وان القبلة كانت بالمدينة بيت المقدس ثم صارت الكعبة-٢٨

اس بحث کے بنیادی نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ مکہ میں قرآن کے جس حصہ کا نزول ہوا اس میں شریعت کے قواعد وکلیہ تھے۔

۲۔ مدینہ میں ان قواعد وکلیہ کی جزئیات نازل ہوئیں ان جزئیات نے نہ صرف کلیات کو مکمل کیا بلکہ ان کی حفاظت کی اور انہیں تقویت بخشی۔

۳۔ نسخ کا بیشتر حصہ مدینہ میں واقع ہوا۔

مسئلہ دوم: مکہ میں کلیات کا نزول ہوا اور کلیات میں نسخ واقع نہیں ہوتا بلکہ جزئیات میں ہوتا ہے۔

امام شاطبی نے اس بات پر دلائل دیتے ہوئے لکھا ہے۔

لما تقرر أن المنزل بمكة من أحكام الشريعة هو ما كان من الأحكام الكلية، والقواعد الأصولية في الدين، على غالب الأمر، اقتضى ذلك أن النسخ فيها قليل لا كثير لأن النسخ لا يكون في الكليات وقوعاً وان أمكن عقلا[۲۹]

جب یہ طے ہو گیا کہ شریعت کے جو احکام مکہ میں نازل ہوئے وہ اکثر وہی تھے جو کلیہ کے احکام اور دین کے اصولی قواعد ہیں تو یہ بات اس چیز کی مقتضی ہے کہ ان میں نسخ تھوڑا ہو زیادہ نہ ہو کیونکہ واقعتاً کلیات میں نسخ نہیں ہوا اگرچہ عقلاً یہ بات ممکن ہے۔

آگے لکھتے ہیں:

ویدل علی ذلک الاستقرائالتام، وأن الشریعة مبنیة علی حفظ الضروریات والحاجیات والتحسینیات، وجمیع ذلک لم ینسخ منه شئ بل انما أتی بالمدینة ما یقویها ویحکمها ویحصنها واذا کان کذلک لم یثبت نسخ لکلی ألبتة، ومن استقری کتب الناسخ والمنسوخ تحقق هذا المعنی فانما یکون النسخ فی الجزئیات منها والجزئیات المکیة قلیلة۔[۳۰]

اس بات پر استقرائے تام دلالت کرتا ہے اور یہ کہ شریعت، ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کی حفاظت پر مبنی ہے اور ان میں کوئی چیز منسوخ نہیں ہوئی بلکہ مدینہ میں تو ایسے احکام نازل ہوئے جو انہیں تقویت دیں، محکم بنائیں اور حفاظت کریں اور جب یہ صورت ہو تو کسی کلی کا نسخ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا اور جو شخص ناسخ و منسوخ کی کتب کی چھان پھٹک کرے گا اس پر یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ نسخ تو جزئیات میں ہوتا ہے جبکہ مکی جزئیات تو کم ہیں۔

اس کے بعد امام شاطبی نے یہ ثابت کیا ہے کہ شریعت میں نسخ کم واقع ہوا اس بات کے ذیل میں آپؒ نے چار وجوہات بیان کی ہیں ان وجوہات پر کتاب اللہ سے شواہد، حدیث نبوی ﷺ سے دلائل اور علماء کے اقوال نقل کئے اور اس طرح اپنے نظریات کو مدلل انداز میں واضح کیا۔

پہلی وجہ: استقراء یہ بھی واضح کرتا ہے کہ جن فروعی جزئیات میں نسخ واقع ہوا وہ ایسی جزئیات کی نسبت بہت کم ہیں جن میں نسخ نہیں ہوا اور اس کی تائید اس شخص کے قول سے بھی ہوئی ہے جو متشابہ کو منسوخ اور غیر متشابہ کو محکم قرار دے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡہُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ ہُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِہٰتٌ [۳۱]

وہی ہے جس نے آپ ﷺ پر کتاب اتاری اس کی بعض آیات محکم ہیں اور وہی ام الکتاب ہیں اور دوسری متشابہات ہیں۔

دوسری وجہ: جب مکلف پر احکام ثابت ہو جائیں تو ان میں نسخ کا دعویٰ کسی تحقیق شدہ بات کے بغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ مکلف پر حکم کا پہلا ثبوت ثابت شدہ ہے جس کا رفع ہونا ایسے ہی امر سے ہو سکتا ہے جس کا ثابت ہونا معلوم ہو اسی لئے محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خبر واحد نہ قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے اور نہ خبر متواتر کو کیونکہ یقینی چیز کو ظن سے اٹھایا نہیں جاسکتا اس چیز کا تقاضا یہ ہے کہ جن کلی احکام کے نسخ کا دعویٰ کیا جاتا ہے نسخ کے متعلق کسی قطعی حکم کے بغیر اس دعویٰ کو قبول نہیں کرنا چاہئے۔

تیسری وجہ: جس میں اکثر نسخ کا دعویٰ کیا جاتا ہے جب آپ غور کریں تو آپ اسے متنازعہ فیہ، احتمال والا اور دو دلیلوں کے درمیان تطبیق کی تاویل کے قریب پائیں گے یعنی وہ دوسری قسم میں مجمل کی تفصیل یا عموم کی تخصیص یا مطلق کی تقلید اور اسی سے ملتی جلتی جمع کی وجوہ سے کوئی چیز ہو گی باوجودیکہ وہ پہلی اور دوسری قسم میں محکم کے لحاظ سے اپنی اصل پر باقی رہتی ہے۔ چنانچہ ابن عربی نے اسی طریقہ سے ناسخ و منسوخ سے بہت کچھ ساقط کر دیا ہے اور طبری کہتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صدقہ فطر فرض ہوا پھر اس فرضیت کے منسوخ ہونے میں علماء نے اختلاف کیا۔ ابن نحاس کہتے ہیں جب کوئی چیز اجماع یا نبیؐ کی صحیح احادیث سے ثابت ہو جائے تو اسے اجماع یا حدیث سے ہی زائل کرنا جائز ہو سکتا ہے جو اس کے منسوخ ہونے کی وضاحت کرے اور اس سلسلہ میں ایسی کوئی چیز نہیں آئی۔

چوتھی وجہ: جو نسخ کی اور اس کے نادر ہونے پر دلالت کرتی ہے کہ ایسی چیز کی تحریم جو اصل کے حکم سے مباح ہو اصولیوں کے ہاں منسوخ نہیں ہو سکتی جیسے شراب اور سود کیونکہ ان دونوں چیزوں کے اصل کے حکم پر ہونے کے بعد ان کی تحریم ہوئی اور وہ اباحت اصلیہ کے حکم کا نسخ شمار نہیں ہو سکتی اس لئے علما نے نسخ کی تعریف کی ہے کہ وہ کسی شرعی حکم کو بعد والی شرعی دلیل سے اٹھانا ہے اور اس کے مثل دلیل سے ذمہ داری کی براءت کو اٹھانا ہے صحابہؓ نماز میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے تھے تو یہ حکم نازل ہوا۔ ۳۲ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۳۳ اور یہ بھی روایت ہے کہ نماز میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو جاتے تا آنکہ یہ آیت نازل ہوئی۔ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۳۴

علماء کہتے ہیں کہ یہ بھی اس کام کا نسخ ہے جو صحابہ کرتے تھے اور قرآن کا اکثر حصہ ایسا ہی ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ صحابہؓ اباحت کی اصل کے حکم سے ایسا کام کرتے لہٰذا یہ نسخ میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ ۳۵

مندرجہ بالا بحث سے درج ذیل نکات سامنے آئے:

۱۔ کلیات میں نسخ واقع نہیں ہوتا۔

۲۔ فروعی جزئیات میں نسخ ہوا ہے مگر وہ بھی کم۔

۳۔ قرآن میں نسخ کم ہونے کی آپ نے چار وجوہات بیان کی ہیں۔

اول: قرآن میں نسخ کم ہے بالکل اُسی طرح جس طرح قرآن میں متشابہات کم اور محکم آیات زیادہ ہیں۔

دوم: خبر واحد نہ قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے اور نہ خبر متواتر کو کیونکہ یقینی چیز کو ظنی سے رفع نہیں جا سکتا۔

سوم: بعض علماء عموم کی تخصیص، مطلق کی تقیید اور مجمل کی تفصیل کو بھی نسخ قرار دیتے ہیں جو در حقیقت نسخ نہیں۔

چہارم: ایسی چیزوں کی تحریم جو اصل کے حکم سے مباح ہو منسوخ نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ سوم: نسخ کے استعمال میں متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا فرق

تیسرا مسئلہ لفظ نسخ کے استعمال میں متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کے فرق سے متعلق ہے جس میں متقدمین نسخ کو وسیع معنی میں استعمال کرتے اور نسخ کا اطلاق عام کی تخصیص اور مطلق کی تقید وغیرہ پر کرتے تھے جبکہ متاخرین کے نزدیک نسخ کے مفہوم میں مذکورہ اصطلاحات شامل نہیں ہیں۔

چنانچہ اس نکتہ کی وضاحت میں امام شاطبیؒ لکھتے ہیں:

وذلك أن الذی یظهر من کلام المتقدمین أن النسخ عندهم فی الاطلاق أعم منه فی کلام الأصولیین: فقد یطلقون علی تقیید المطلق نسخا، وعلی تخصیص العموم بدلیل متصل أو منفصل نسخا، وعلی بیان المبهم والمجمل نسخا کما یطلقون علی رفع الحکم الشرعی بدلیل شرعی متأخر نسخا لأن جمیع ذلک مشترک فی معنی واحد وهو أن النسخ فی الاصطلاح المتاخر اقتضی أن الأمر المتقدم غیر مراد فی التکلیف، وانما المراد ما جیئ به آخراً، فالأول غیر معمول به، والثانی هو المعمول به۔ ۳۶؎

یعنی متقدمین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں لفظ نسخ کا اطلاق اصولیوں کے ہاں اس لفظ کے استعمال سے زیادہ عام تھا وہ مطلق کی تقیید پر نسخ کا لفظ استعمال کرتے اور عموم کی متصل یا منفصل دلیل سے تخصیص پر بھی اور مبہم و مجمل کے بیان پر بھی نسخ کا لفظ بولتے تھے جیسا کہ وہ کسی شرعی حکم کے بعد والی شرعی دلیل سے اُٹھ جانے کو نسخ کہتے تھے کیونکہ یہ تمام باتیں ایک ہی معنی میں مشترک ہیں جو یہ ہے کہ بعد والی اصطلاح کے مطابق نسخ کا اقتضا یہ ہے کہ تکلیف میں پہلا کام مراد نہیں رہا اور اب مراد وہ ہے جو بعد میں آیا لہٰذا پہلے کام پر اب عملدرآمد نہ رہے گا اب دوسرا ہی معمول بہ ہوگا۔

مزید آپؒ نے یہ بھی لکھا کہ یہ معنی مطلق کی تقلید میں بھی جاری ہیں کیونکہ مطلق کے ساتھ جب اس پر قید لگانے والا موجود ہو تو اس کا ظاہر متروک ہو جاتا ہے اور اس کے اطلاق کو عمل میں نہیں لایا جاتا بلکہ مقید پر عمل ہوتا ہے گویا اپنے مقید کی موجودگی میں مطلق کوئی فائدہ نہیں دیتا گویا وہ ناسخ و منسوخ کی طرح بن جاتا ہے عام کا خاص کے ساتھ بھی یہی حال ہے کیونکہ عام کے ظاہر کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمام چیزوں پر جن تک اس لفظ کی رسائی ہے اس کا حکم شامل ہو پھر جب خاص آیا تو اس نے عام کے ظاہر کا حکم اعتبار سے خارج کر دیا گویا وہ ناسخ و منسوخ کی طرح ہو گیا الّا یہ کہ عام کے لفظ کے مدلول کو بالکل ہی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور عمل میں وہی کچھ لایا جاتا ہے جس پر خاص دلالت کر رہا ہو اور باقی سب پہلے حکم پر رہتے ہیں اور مبہم کے ساتھ مبین کی بھی وہی صورت ہے جو مطلق کے ساتھ مقید کی ہے اور جب یہ صورت حال ہو تو ان تمام معانی میں لفظ نسخ کا اطلاق آسان ہو جاتا ہے کیونکہ یہ سب ایک ہی چیز کی طرف لوٹتے ہیں۔۳۷

اس تفصیل کے بعد امام شاطبیؒ نے چند آیات بطور مثال پیش کی ہیں جس میں صحابہؓ اور تابعین سے ان آیات کے منسوخ ہونے کے اقوال مروی ہیں۔ ہر مثال میں اولاً صحابہ یا تابعی کا قول نقل کرتے ہیں پھر ان کے نزدیک اس کا منسوخ نقل کرنے کے بعد یہ وضاحت کرتے ہیں کہ صحابی یا تابعی کے قول میں نسخ سے مراد مطلق کی تقیید، عام کی تخصیص یا مبہم و مجمل کا بیان ہے۔

یہاں الموافقات سے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

امام شاطبیؒ لکھتے ہیں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آیت (إِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعاً۔۳۸ اللہ تعالیٰ کے اس قول (إِنَّ اللهَ لاَ يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ)۳۹ سے منسوخ ہے حالانکہ یہ عموم کی تخصیص کے باب سے ہے نہ کہ نسخ کے باب سے۔۴۰

ایک اور مثال دیتے ہوئے آپؒ لکھتے ہیں کہ اللہ کے اس ارشاد :(الأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْراً وَنِفَاقاً) ۴۱ اور اس فرمان (وَمِنَ الأَعْرَابِ مَن يَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ مَغْرَماً)۴۲ کے متعلق کہا گیا کہ یہ درج ذیل آیت سے منسوخ ہیں (وَمِنَ الأَعْرَابِ مَن يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ)۴۳۔ حالانکہ یہ ایسی خبریں ہیں جس میں نسخ درست نہیں اور مقصود یہ ہے کہ اعراب کا عموم ان لوگوں کو چھوڑ کر جو ایمان لائے ان سے مخصوص ہے جنہوں نے کفر کیا۔۴۴

امام شاطبیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے اللہ کے اس ارشاد (مَنكَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَالَهُ فِيْهَا مَانَشَاءُلِمَن نُّرِيْدُ) ۴۵ (جو شخص عاجلہ مفاد کا ارادہ رکھتا ہے ہم جس شخص کے لئے چاہیں اسے جلد ہی وہ مفاد دے دیتے ہیں) کے متعلق کہا کہ یہ درج ذیل آیت کا ناسخ ہے۔(مَن كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْلَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَن كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَانُؤْتِهٖ مِنْهَا) ۴۶ (جو کوئی آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے ہم اس کے لئے اس کی کھیتی زیادہ کر دیتے ہیں اور جو کوئی دنیا کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے ہم اسے وہی دے دیتے ہیں) اور اس تحقیق کے مطابق یہ مطلق کی تقیدی ہے اللہ کا پہلا قول(نؤته منها)۴۷ مطلق تھا اور اس کے معنی مشیت سے مقید تھے اور یہی بات اللہ کے پچھلے قول (لمن نريد)۴۸ میں ہے۔ورنہ وہ محض خبر ہے اور اخبار میں نسخ نہیں ہوتا۔۴۹

مطلق اور مقید سے متعلق ایک اور مثال میں آپؒ لکھتے ہیں کہ قتادہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد(اتَّقُوااللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ)۵۰ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس آیت سے منسوخ ہے (فَاتَّقُوااللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ) ۵۱۔ربیع بن انس، سدی اور ابن زید نے بھی ایسا ہی کہا ہے یہ بھی مذکورہ طرز سے ہی ہے کیونکہ یہ دونوں آیتیں مدنی ہیں جو دین میں کوئی حرج نہیں کے پختہ حکم اور تکلیف مالایطاق کے مرفوع ہونے کے بعد ہی نازل ہوئیں گویا (اتَّقُوااللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ)کا معنی یہ ہوا کہ جس قدر تم طاقت رکھتے ہو اور یہی (فَاتَّقُوااللّٰہَ مَااسْتَطَعْتُمْ)کا معنی ہے اور اس میں نسخ سے مراد صرف یہ تھی کہ سورۃ آل عمران کی آیت کے اطلاق کو سورہ تغابن کی آیت سے مقید بنائیں۔۵۲

امام شاطبی نے قرآن مجید کی اس آیت (وَاِذَاحَضَرَالْقِسْمَةَ اُولُواالْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنُ فَارْزُقُوْہُمْ مِّنْہُ)۵۳

سے متعلق لکھا ہے کہ یہ میراث کی آیت سے منسوخ ہے نیز ضحاک، سدی اور عکرمہ نے بھی ایسا ہی کہا ہے اور حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ سے منسوخ ہے اور ابن مسیب کہتے ہیں کہ میراث اور وصیت نے اسے منسوخ کر دیا حالانکہ ان دونوں آیتوں میں تطبیق ممکن ہے کیونکہ اس آیت کو استحباب پر محمول کیا جا سکتا ہے اور اولی القربیٰ سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جو وارث نہیں ہوتے اور اس کی دلیل اللہ کا قول واذا حضر ہے جیسا کہ آپ رزق کو سامنے دیکھتے ہیں گویا ان سے مراد غیر وارث ہیں اور حسن بصریؒ نے بھی وضاحت کی کہ مراد استحباب ہے جس کی دلیل وصیت و میراث کی آیت ہے گویا وہ مجمل و مبہم کا بیان ہے۔۵۴

اسی نوع کی دوسری مثال وہ روایت ہے جس میں حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ یہ آیت (وَإِن تُبْدُوا مَا فِيٓ أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ)۵۵ اللہ کے اس فرمان (لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا)۵۶ سے منسوخ ہے۔ جس کی دلیل کتمان شہادت سے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ انہوں نے (وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ)۵۷ کی تفسیر کرنے کے بعد فرمایا(وَإِن تُبْدُوا مَا فِيٓ أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ)۵۸ جس سے معلوم ہوا کہ یہ عموم کی تخصیص کے باب سے ہے یا مجمل کا بیان ہے۔۵۹

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں: اللہ کے اس ارشاد (انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا)۶۰ کے بارے میں کہا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قول (وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً)۶۱ سے منسوخ ہے۔ یہ دونوں آیتیں دو دو معنی والی ہیں لیکن غزوہ تبوک کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس حکم پر تنبیہ کی اب تمام مسلمانوں پر جنگ کے لئے نکلنا واجب نہیں رہا۔۶۲

آیات اخبار میں بھی نسخ واقع نہیں ہوتا، اس اصول کی وضاحت میں آپ نے کئی مثالیں بیان کیں جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول (وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ)۶۳ درج ذیل آیت سے منسوخ ہے۔(وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا)۶۴ اس امر کی توضیح میں امام شاطبیؒ لکھتے ہیں کہ سورۃ انعام کی آیت تو خبروں میں سے ایک خبر ہے اور اخبار نہ منسوخ کرتی ہیں اور نہ منسوخ ہوتی ہیں۔۶۵

اکثر آیات کی حیثیت محض بیان کی ہوتی ہے انہیں ناسخ قرار نہیں دیا جاسکتا جیسے:

عراک بن مالک، عمر بن عبد العزیز اور ابن شاب سے روایت ہے کہ اللہ کا ارشاد ہے (والذین یکنزون الذھب والفضة) ۶۶ دوسری آیت (خذ من اموالھم صدقة)۶۷ سے منسوخ ہے۔ درحقیقت یہ بیان ہے اسکا جسے کنز کہا گیا لیکنجب مال کی زکوۃ ادا کردی جائے تو اسے کنز نہیں کہتے۔ اور جس مال کی زکوۃ ادا نہ کی جائے تو وہ کنز میں شامل ہوگا۔ اس لئے اس میں کوئی نسخ نہیں۔۶۸

مسئلہ ھذا کے اخیر میں امام شاطبیؒ لکھتے ہیں:

والأمثلة هنا كثيرة توضح لك أن مقصود المتقدمين باطلاق لفظ النسخ بيان ما في تلقى الأحكام من مجرد ظاهره اشكال وايهام لمعنى غير مقصود للشارع فهو أعم من اطلاق الأصوليين۔۶۹

یہاں اس قدر مثالوں سے آپ پر واضح ہو چکا کہ لفظ نسخ کے اطلاق سے متقدمین کا مقصود کتاب و سنت کے ایسے احکام کی وضاحت تھی جن کے ظاہری الفاظ کے معنوں میں اشکال یا ابہام تھا اور وہ شارع کا مقصود نہ تھے گویہ اطلاق اصولیوں کے مقابلے میں زیادہ عام ہے۔

مندرجہ بالا بحث کا ماحصل یہ ہے کہ لفظ نسخ کے مفہوم میں متقدمین اور متاخرین کا اختلاف ہے جیسا کہ مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ متقدمین نسخ کو وسیع معنی میں استعمال کرتے اور نسخ کا اطلاق عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید وغیرہ پر بھی کرتے تھے۔

مسئلہ چہارم: کلیات میں نسخ کا عدم وقوع

امام شاطبیؒ نے اس بحث سے متعلق اہم نکتہ اٹھایا کہ ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کے قواعد وکلیہ میں نسخ واقع نہیں ہوا چاہے وہ شریعت محمدی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہو یا سابقہ شریعت۔ چنانچہ علامہ موصوف نے لکھا ہے۔

ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کے قواعد وکلیہ میں نسخ واقع نہیں ہوتا صرف جزئی امور میں واقع ہوتا ہے اور اس کی اصل استقرا ہے کیونکہ جو کچھ پانچوں امور کی حفاظت کی طرف لوٹتا ہے وہ ثابت وبرقرار ہے اور اگر ان کی بعض جزئیات میں نسخ فرض کر لیا جائے تو یہ حفظ کے علاوہ کسی دوسری وجہ سے ہوگا اور اگر کسی میں نسخ فرض کر لیا جائے جس کا بدل نہ ہو تو بھی حفاظت کی اصل باقی رہے گی کیونکہ جنس کی انواع میں سے کسی نوع کے اٹھ جانے سے جنس کا اٹھ جانا لازم نہیں آتا۔ ۷۰

آپ نے اس بات پر بھی روشنی ڈالی کہ ہر ملت میں ضروریات حاجیات اور تحسینیات سے متعلق احکامات کی حفاظت کی گئی ہے۔ اور اس ضمن میں مثالیں بھی نقل کی ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر شریعت میں ان تینوں امور کی نگہداشت کی گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(شَرَعَ لَکُم مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصَّی بِہِ نُوحاً وَالَّذِیْ أَوْحَیْنَا إِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہِ إِبْرَاہِیْمَ وَمُوسَی وَعِیْسَی أَنْ أَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِیْہِ) ۷۱

ہم نے تمہارے لئے بھی دین سے وہی کچھ مشروع کیا جس کا ہم نے نوح کو حکم دیا اور جو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی طرف وحی کیا ہے اور ایسی بات کا ہم نے حضرت ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا کہ وہ دین کو قائم کریں اس میں تفرقہ نہ ڈالیں۔

نیز فرمایا: (فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ)۷۲ آپ ﷺ اسی طرح صبر کریں جیسے الوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔

اور بہت سے انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا (أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ) ۷۳ یہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی تھی تو آپ ﷺ بھی انہی کی ہدایت کی پیروی کیجئے۔

پہلی آیت میں دین کی اصل کا قیام ہے دوسری میں مکارم اخلاق سنوارنے سے متعلق احکام ہیں اسی طرح بعد میں آنے والی آیات میں نماز، روزہ فقیروں کے لئے مال خرچ کرنا اور قصاص کے اصول ہیں۔

(كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ)۷۴ (وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ) ۷۵

اسی طرح حاجیات کے ضمن میں امام موصوف کتاب اللہ سے یہ مثال دیتے ہیں۔

(أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ)۷۶ اور اللہ کا قول (فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ) ۷۷ اپنے ظاہر کے ساتھ محاسن عادات اپنانے کا تقاضا کرتا ہے جیسے اذیت پر صبر بھلے طریقے سے مدافعت وغیرہ وغیرہ۔

ایسی کئی مثالیں دینے کے بعد امام شاطبی اس مسئلے کے اختتام میں لکھتے ہیں:

کہ اللہ کا یہ ارشاد (لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا)۷۸ جزئی فروعات پر صادق آتا ہے اور اسی سے آیات واخبار کے معانی اکھٹے ہوتے ہیں تو جب ان شریعتوں میں نسخ واقع ہونے کے باوجود ان کے اصول آپس میں متفق ہیں وہ برقرار رہے اور منسوخ نہ ہوئے تو یہی بات اس ملت واحدہ میں ہے جو پہلی تمام امتوں کے محاسن کی جامع ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔۷۹

حاصل کلام یہ ہے کہ:

۱۔ضروریات، حاجیات اور تحسینیات میں نسخ واقع نہیں ہوتا اگر ہوا بھی ہو تو صرف جزئی امور میں۔

۲۔ہر شریعت میں ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کے قواعد وکلیہ کی حفاظت کی گئی اگرچہ اس کی حفاظت کی تفصیل میں اختلاف رہا۔

ج۔ظاہر وباطن کی بحث میں امام شاطبیؒ کا اسلوب

قرآن مجید بہت سے علوم کا منبع ومرکز ہے جن کا احاطہ کرنا مشکل ہے انہیں میں سے ایک قرآن کے ظاہر وباطن کا علم ہے جس کی معرفت سے ایک تو قرآن کا صحیح فہم حاصل ہوتا ہے دوسرا شارع کے مقاصد معلوم ہوتے ہیں جس کے لئے قرآن مجید نازل کیا گیا۔امام شاطبیؒ نے ادلہ شریعہ کی

بحث میں اس موضوع پر جامع کلام کیا ہے اس بحث سے متعلق آپ کے نظریات کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

ظاہر و باطن کا مفہوم و حقیقت:

ظاہر و باطن کی بحث میں امام شاطبی نے ذیل میں دی گئی روایت کو دلیل بنایا۔

حسن سے روایت ہے جو انہوں نے نبی ﷺ سے ارسال کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جو بھی آیت اللہ نے نازل کی ہے اس کا ایک ظاہر ہے اور باطن ہے اور ہر حرف ایک حد ہے اور ہر حد ایک مطلع ہے۔[۸۰]

اسی روایت کے تحت آپ ظاہر و باطن کے معانی کا تعین کرتے ہیں۔

الظھر والظاھر ھو ظاھر التلاوۃ، والباطن ھو الفھم عن اللہ لمرادہ۔[۸۱]

ظھر اور ظاھر سے مراد ظاہر التلاوت ہے اور باطن سے مراد وہ فہم ہے جو اللہ کی اس سے مراد ہو۔

اس مفہوم کی تائید میں آپ نے آیات نقل کیں جو باطنی معنی پر دلالت کرتی ہیں۔

(فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا) [۸۲]

جس کا معنی یہ ہے کہ وہ خطاب سے اللہ کی مراد کو نہیں سمجھتے۔ ایسے الفاظ نہیں لائے گئے کہ وہ نفس کلام کو نہیں سمجھتے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قرآن ان کی زبان میں اترا ہے؟ بلکہ انہوں نے کلام سے اللہ کی مراد نہیں لی۔[۸۳]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا) [۸۴]

یہاں معنی کا جو ظاہر ہے وہ اسے جانتے تھے کیونکہ وہ عرب تھے اور یہاں مراد دوسری چیز ہے جو یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غور کیا جائے تو قرآن میں ہرگز اختلاف نہیں پایا جاتا گویا ایسی وجہ جس سے اتفاق (احکامات میں عدم تعارض) سمجھا جائے اور اختلاف دور ہوتا ہو ،وہ باطن ہے۔[۸۵]

ظاہر و باطن کے مفہوم کی توضیح کے دوران آپ نے کئی روایات بطور مثال نقل کی ہیں جن میں سے ایک درج ذیل ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مجھے اصحاب النبی ﷺ کے ساتھ (اپنی شوریٰ میں) شامل کر لیتے تھے حضرت عبد الرحمن بن عوف نے ان سے کہا: آپ نے اسے داخل کر لیا اور اس جیسے

لڑکے تو ہمارے بھی ہیں؟ حضرت عمرؓ نے انہیں جواب دیا یہ بات اس کے علم سیکھنے کی وجہ سے ہے پھر مجھے اس آیت کے بارے میں پوچھا : (إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ)۸۶ تو میں نے کہا یہ تو رسول اللہؐ کی وفات کی بابت ہے جسے وہ خود جانتے تھے پھر آخر تک یہ سورت پڑھی حضرت عمرؓ کہنے لگے اللہ کی قسم میں بھی اس سے وہی کچھ سمجھا ہوں جو تم سمجھے ہو۔ ۸۷

اس روایت میں موجود ظاہر وباطن کی وضاحت کرتے ہوئے امام شاطبی نے لکھا ہے:

اب اس سورہ کا ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اپنے پرور دگار کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی اور انہیں فتح دی اور اس کا باطن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی وفات کی اطلاع دی تھی۔ ۸۸

ایک اور آیت (الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ) ۸۹ کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ خوش ہو گئے اور حضرت عمرؓ رو پڑے اور کہنے لگے ہر کمال کے بعد زوال آتا ہے انہوں نے رسولؐ کی وفات کی اطلاع کو سمجھا چنانچہ اس کے بعد آپ ﷺ صرف اکاسی دن زندہ رہے۔ ۹۰

صاحب موافقات کے نزدیک قرآن کے ظاہر وباطن کی معرفت ضروری ہے جو قوم قرآن کے باطن کا فہم حاصل نہیں کرتی اللہ اس قوم سے علم وفقہ کی نفی کر دیتا ہے کیونکہ جو شخص شارع کی مرضی ومنشا کو نہیں جانتا وہ اس سبب سے گمراہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

علامہ نے اپنے اس موقف کے حق میں نصوص قرآنیہ سے استشہاد کیا:۔

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں فرمایا:

(لَأَنتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِم مِّنَ اللَّهِ)۹۱ (ان کے دلوں میں اللہ سے تمہارا ڈر بہت زیادہ ہے) اور یہ ان کی کم فہمی کی بات تھی کیونکہ جو

شخص یہ جان لے کہ اللہ وہ ذات ہے جس کے ہاتھ ہر چیز کی بادشاہی ہے اور وہی امور میں تصرف کرنے والا ہے وہ فقیہ ہے۔ ۹۲ جیسے فرمایا

(ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ)۹۳ اور (صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ)۹۴

مذکورہ بالا آیات سے امام شاطبیؒ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جان لیجئے کہ جب اللہ نے اس قوم سے فقہ وعلم کی نفی کی تو یہ صرف اس لئے ہوا کہ انہوں نے ظاہر پر اکتفا کر لیا اور مراد کا اعتبار نہ کیا اور جب

اللہ نے یہ بات ثابت کر دی تو وہ اس لئے ہے کہ وہ اللہ کے خطاب سے اس کی مراد کو سمجھیں اور وہ اس کا باطن ہے۔٩٥

باطن یعنی معنی مقصود کو چھوڑ کر محض ظاہر پر انحصار کرنا گمراہی کا سبب بنتا ہے۔

لأن من فهم باطن ماخوطب به لم يحتل على احكام الله حتى ينال منها بالتبديل والتغيير، ومن وقف مع مجرد الظاهر غير ملتفت الى المعنى المقصود اقتحم هذه المتاهات البعيدة۔٩٦

جس نے باطن کو سمجھ لیا کہ جس چیز سے وہ مخاطب کیا گیا ہے وہ اللہ کے احکام پر ایسے حیلے نہیں بناتا کہ وہ تبدیلی اور تغیر تک جا پہنچے اور جو شخص صرف ظاہر پر رک جائے اور معنی مقصود کی طرف توجہ ہی نہ کرے تو ایسا شخص دور کی گمراہیوں میں جا پڑا۔

قرآن کے باطن کو جاننے کے لئے علامہ موصوف دو شرائط عائد کرتے ہیں:

احدهما أن يصح على مقتضى الظاهر والمقرر في لسان العرب ويجرى على المقاصد العربية والثاني : أن يكون له شاهد نصاً أو ظاهراً في محل اخر يشهد لصحته من غير معارض۔٩٧

پہلی یہ کہ عربی زبان کے قواعد کے مطابق وہ مراد ظاہر کے مطابق درست ہو اور عربی زبان کے مقاصد پر جاری ہو اور دوسری یہ کہ نص اس کی شاہد ہو یا کسی دوسرے مقام پر ایسا ظاہر ہو جو اس کی صحت کی شہادت دے اور اس ظاہر کا کوئی معارض نہ ہو۔

نیز باطنی معنی کے تعین کرنے کا یہ کلیہ بھی بتایا کہ:

جو معنی بھی عبودیت کے وصف کی مخاطب سے تحقیق اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے اقرار کا تقاضا کرتے ہوں تو وہی معنی اس کا باطن مراد اور مقصود ہوں گے جس کی خاطر قرآن نازل ہوا۔٩٨

باطن کی شرائط بیان کرنے کے بعد ظاہر پر یہ شرط عائد کی:

ظاہر وہ ہے جو خالصۃ عربی زبان کا مفہوم ہو اور اس میں اشکال نہ ہو کیونکہ موافق و مخالف سب اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن عربی مبین میں نازل ہوا۔

بعد ازاں اللہ کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں: (وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ)٩٩ پھر ان کافروں کے اس بیان کا جواب یوں دیا گیا: (لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ)١٠٠

مباحثہ میں یہ جواب شرط جواب پر ہے کیونکہ وہ علی وجہ البصیرت یہ تسلیم کرتے تھے کہ قرآن انہیں کی زبان میں ہے اور جس بشر کا یہ ذکر ہے وہ ایک نصرانی عالم تھا جو اسلام لے آیا یا وہ

مسلمان تھے جو فارسی تھے اور اسلام لائے یا کوئی اور تھا جس کی زبان عربی نہ ہونے پر ان سب کا اتفاق تھا۔۱۰۱

اس آیت (ولو جعلنہ قرآنا اعجمیا لقالوا لولا فصلت ءایتہ اعجمی و عربی)۱۰۲ سے اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہیں۔

یہ تو معلوم ہے کہ انہوں نے اس کی طرح کوئی بات نہ کہی تھی جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن ان کے نزدیک انہی کی عربی میں تھا اور جب یہ ثابت ہو گیا تو قرآن کے الفاظ کو محض عربی کے الفاظ ہونے کی حیثیت سے سمجھتے تھے اگرچہ اس کی مراد کے مفہوم پر وہ متفق نہ تھے کیونکہ قرآن کے ظاہر پر عربی زبان کے مفہوم کے علاوہ کوئی زائد شرط عائد نہیں کی جا سکتی۔ ۱۰۳

نیز یہ بھی لکھا ہے کہ : قرآن سے مستنبط ہر وہ معنی جو عربی زبان کے مطابق نہ ہو اس کا علوم قرآن سے کچھ تعلق نہ ہو گا نہ وہ قرآن سے مستفاد ہے اور نہ ہی اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور جو شخص ایسا دعویٰ کرے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔۱۰۴

ایسے لوگ جنہوں نے صرف قرآن کے ظاہر پر اکتفا کیا اس حکم سے شارع کی مراد کا فہم حاصل نہ کیا صرف وصرف اپنے خواہش نفس کی پیروی کی اور قرآن کی آیات کی غلط تاویل کی ایسے اشخاص پر علامہ نے نقد کی اور ان کی غلط تاویلات کا رد کیا۔ ذیل میں امام شاطبی کی بیان کردہ چند مثالیں نقل کی جاتی ہیں:

سب سے پہلے قرآن کے صرف ظاہر پر اکتفا کرنے والے کافر تھے جن سے متعلق مثال نقل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ)۱۰۵

تو کافر کہنے لگے: قرآن میں مکڑی اور مکھی کے ذکر کی کیا تک ہے؟ یہ اللہ کا کلام نہیں تو یہ آیت نازل ہوئی: (إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيِي أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا)۱۰۶

ایسی مثالیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

کفار نے دنیا اور اس کے ساز و سامان کو صرف ظاہری نظر سے دیکھا جو کہ لوع ولعب اور ڈھلتا سایہ ہے اور اس سے وہ بات چھوڑ دی جو اس کا مقصود ہے کہ وہ صرف عارضی اور عبرت کی جگہ ہے، رہنے کی نہیں۔۱۰۷

اس مفہوم کی وضاحت میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: (مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللهَ

قَرْضاً حَسَناً فَيُضٰعِفَهُ لَهٗ اَضْعَافاً كَثِيْرَةً) ۱۰۸؎ ابو الدحداح نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے جو ہمیں اس نے عطا کیا اس میں سے ہم سے قرض مانگتا ہے اور یہ ایک حدیث کا مفہوم ہے اور یہود کہنے لگے: (اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ) ۱۰۹؎ گویا جو ابو الدحداح نے سمجھا دی اس کی فقہ تھی اور وہی باطنی مراد ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ابو الدحداح نے کہا کہ اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے حالانکہ وہ غنی ہے؟ تو رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہاں! اس لئے کہ تمہیں جنت میں داخل کرے اور یہ قصہ حدیث میں مذکور ہے اور یہود کا فہم محض ظاہر عربی ہے زائد کچھ نہ تھا پھر انہوں نے بے نیاز پروردگار کے قرض مانگنے کو ایک محتاج بندے سے قرض مانگنے پر محمول کیا اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے ہمیں بچائے۔۱۱۰؎

اسی طرح اہل تشبیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

اہل تشبیہ نے اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق غلط گمان کیا ہے کیونکہ انہوں نے ظاہری معنی کو لیا۔

(تَجْرِیْ بِأَعْيُنِنَا) ۱۱۱؎ (عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَاماً) ۱۱۲؎ (وَہُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ) ۱۱۳؎

تو انہوں نے مخلوق پر قیاس کرتے ہوئے حکم لگایا اور جیسے چاہا زیادتی کی۔ ۱۱۴؎

اسی طرح ایک اور مثال نقل کرتے ہیں:

کسی نے ایسا دعویٰ کیا جس کا کچھ تعلق نہ تھا کہ قرآن میں اس کا نام دیا گیا ہے جیسے بیان بن سمعان جس کا گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ کے قول

(هذا بيان للناس) ۱۱۵؎ میں بیان سے مراد وہ خود ہے اور یہ اتنی غلط بات ہے کہ جس سے بڑھ کر اور کوئی بات نہیں ہو سکتی اور جہالت پر خاموش رہنا ایسے فضول افترا سے بہتر ہے اور اگر عربی زبان کا لحاظ رکھا جائے تو ہر لحاظ سے وہ احمق شمار ہو گا لیکن اس نے ہر پہلو سے اپنے عیب کو ظاہر کر دیا اللہ ہمیں عافیت میں رکھے اور اپنے کرم سے ہماری عقل اور دین کو محفوظ رکھے۔ ۱۱۶؎

بحث کے اختتام میں آپ نے متکلمین کے اس طبقہ کو جو منقولات سے صرف نظر کرتا ہے، تنقید کا نشانہ بنایا: اور یہ باتیں اہل کلام کی ہیں جو رائے کے پیچھے پڑ کر منقولات کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور یہ بات انہیں کلام اللہ کی تحریف تک پہنچاتی ہے جس کی شہادت نہ عربی الفاظ دیتے ہیں اور نہ وہ اس کی مراد کے لئے دلیل ہوتا ہے۔ ۱۱۷؎

مندرجہ بالا بحث کا حاصل یہ ہے:

۱۔ قرآن کے ظاہر سے مراد ظاہر التلاوۃ ہے جبکہ باطن سے مراد وہ فہم ہے جو اللہ کی اُس آیت سے مراد ہے اور جو اس میں مخفی ہوتا ہے۔

۲۔ قرآن کے ظاہر وباطن کو جاننا بہت ضروری ہے جو قوم قرآن کے باطن کا فہم حاصل نہیں کرتی اللہ اس قوم سے علم وفقہ کی نفی کر دیتا ہے۔

۳۔ اسی طرح قرآن سے ہر وہ مستنبط چیز جو عربی زبان کے مطابق نہ ہو اس کا علوم القرآن سے کوئی تعلق نہیں۔

۴۔ بعض اشخاص نے قرآن کے صرف ظاہر پر اکتفا کیا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے قرآنی آیات کی تاویل کی جس سے خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کی گمراہی کا بھی سبب بنے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ امام شاطبی کا شمار اکابر اصولیین میں ہوتا ہے آپ کا نام ابراہیم بن موسیٰ بن محمد شاطبی ہے آپ ایک جلیل القدر مجتہد تھے جہاں تک تعلق ہے آپ کی تاریخ ولادت کا تو اس بارے میں کوئی حتمی تاریخ نہیں ملی البتہ ایک محقق ابو الاجفان جنہوں نے آپ کی کتاب فتاویٰ الامام شاطبی کی تحقیق کی ہے۔ انہوں نے اس کتاب کے مقدمہ تحقیق میں آپ کی تاریخ ولادت متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ محقق کے نزدیک آپ کی ولادت ۷۲۰ ھ کے قریب قریب ہے۔ آپ غرناطہ میں پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی اور آپ کی ابتدائی تعلیم کا مرکز بھی یہی شہر رہا اس کے علاوہ کسی اور جگہ کی طرف اشارہ نہیں ملتا جہاں آپ رہے ہوں یا حصول علم کے لئے کسی مقام کا سفر کیا ہو اس طرح علامہ نے ۷۹۰ھ میں غرناطہ ہی میں وفات پائی۔ تفصیل کے لئے دیکھیں ابو الاجفان، محمد، فتاویٰ الامام الشاطبی، تیونس، نہج دواز، الوردیہ، ۱۹۸۵ء، ص ۳۲؛ مخلوف، محمد بن محمد، شجرۃ النور الزکیہ فی طبقۃ المالکیۃ، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۳، ۳۳۲/۱؛ التنبکتی، احمد بابا بن احمد، نیل الابتھاج بطریز الدیباج، طرابلس، دار الکاتب، ۲۰۰۰ء، ص ۴۸، ۴۹؛ الاجوی، محمد بن حسن، الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۵ء، ۲۹۱/۲

۲۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات فی اصول الشریعۃ، تحقیق عدنان درویش، بیروت، دار الکتاب العربی، ۲۰۰۲ء، ۱۶/۱ ۳۔ ایضاً، ۱۴/۱

۴۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، مقدمہ فی اصول التفسیر، لاہور، المکتب العلمیہ، س۔ن، ص ۱۱

۵؎ سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علومِ القرآن، بیروت، دارالکتب العربی، ۱۹۹۹ء، ۱/۸۷

۶؎ الموافقات، ۳/۶۲۶

۷؎ ایضاً

۸؎ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب لا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا، حدیث: ۴۵۶۸

۹؎ آل عمران ۳: ۱۸۷

۱۰؎ آل عمران ۳: ۱۸۸

۱۱؎ الموافقات، ۳/۶۲۷

۱۲؎ ایضاً، ۳/۶۲۸

۱۳؎ صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابۃ، باب مناقب عبد اللہ بن مسعودؓ، حدیث: ۳۷۶۰؛ الموافقات، ۳/۶۲۹

۱۴؎ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب القراء من اصحاب النبیؐ، حدیث: ۵۰۰۰؛ الموافقات، ۳/۶۲۹

۱۵؎ ایضاً، حدیث: ۴۹۹۹، الموافقات، ۳/۶۲۹

۱۶؎ الموافقات، ۳/۶۲۹

۱۷؎ ایضاً

۱۸؎ ایضاً

۱۹؎ ایضاً

۲۰؎ ایضاً

۲۱؎ البقرہ ۲: ۱۹۶

۲۲؎ آل عمران ۳: ۹۷

۲۳؎ الموافقات، ۳/۶۲۹

۲۴؎ النجم ۵۳: ۳۹

۲۵؎ الموافقات، ۳/۶۳۰

۲۶؎ ایضاً، ۳/ ۵۱۷، ۵۱۸

۲۷؎ ایضاً، ۳/۵۱۸

۲۸؎ ایضاً

۲۹؎ ایضاً

۳۰؎ الموافقات، ۳/۵۱۸، ۵۱۹

۳۱؎ ال عمران ۳: ۷

۳۲؎ الموافقات، ۳/۵۲۰، ۵۱۹

۳۳؎ البقرۃ ۲: ۲۳۸

۳۴؎ المؤمنون ۲۳: ۲

۳۵؎ الموافقات، ۳/ ۵۲۰

۳۶؎ ایضاً

۳۷؎ ایضاً، ۳/۵۲۰، ۵۲۱

۳۸؎ الزمر ۳۹: ۵۳

۳۹؎ النساء ۴: ۴۸

۴۰؎ الموافقات، ۳/۵۲۵

۴۱؎ التوبہ ۹: ۹۷

۴۲؎ التوبہ ۹: ۹۸

۴۳؎ التوبہ ۹: ۹۹

۴۴؎ الموافقات، ۳/۵۲۵

۴۵؎ الاسراء ۱۷: ۱۸

۴۶؎ الشوریٰ ۴۲: ۲۰

۴۷؎ آل عمران ۳: ۱۴۵

۴۸؎ الاسراء ۱۷: ۱۸

۴۹۔ الموافقات، ۳/۵۲۱

۵۰۔ آل عمران ۳: ۱۰۲

۵۱۔ التغابن ۶۴: ۱۶

۵۲۔ الموافقات، ۳/۵۲۴

۵۳۔ النساء ۴: ۸

۵۴۔ الموافقات، ۳/۵۲۲

۵۵۔ البقرہ ۲: ۲۸۴

۵۶۔ البقرہ ۲: ۲۸۶

۵۷۔ البقرہ ۲: ۲۸۳

۵۸۔ البقرہ ۲: ۲۸۴

۵۹۔ الموافقات، ۳/۵۲۳

۶۰۔ التوبہ ۹: ۴۱

۶۱۔ التوبہ ۹: ۱۲۲

۶۲۔ الموافقات، ۳/۵۲۲

۶۳۔ الانعام ۶: ۶۹

۶۴۔ النساء ۴: ۱۴۰

۶۵۔ الموافقات، ۵۲۲/۳

۶۶۔ التوبہ ۹: ۳۴

۶۷۔ التوبہ ۹: ۱۰۳

۶۸۔ الموافقات، ۵۲۴/۳

۶۹۔ ایضاً، ۵۲۵/۳

۷۰۔ ایضاً، ۵۲۶/۳

۷۱۔ الشوریٰ ۴۲: ۱۳

۷۲۔ الاحقاف ۴۶: ۳۵

۷۳۔ الأنعام ۶:۹۰

۷۴۔ البقرہ ۲: ۱۸۴

۷۵۔ المائدہ ۵: ۴۵

۷۶۔ العنکبوت ۲۹: ۲۹

۷۷۔ الانعام ۶: ۹۰

۷۸۔ المائدہ ۵: ۴۸

۷۹۔ ماخوذ الموافقات، ۵۲۶/۳

۸۰۔ صنعانی، عبد الرزاق بن ہمام، المصنف، کتاب فضائل القرآن، باب تعاهد القرآن نسیانہ، حدیث: ۵۹۶۵؛ طبرانی، المعجم الاوسط، القاهرة، دار الحرمین، ۱/۲۳۶؛ بغوی، شرح السنة، کتاب العلم، باب الخصومة فی القرآن، حدیث: ۱۲۲

۸۱۔ الموافقات، ۶۴۶/۳

۸۲۔ النساء ۴: ۷۸

۸۳۔ الموافقات، ۳/۶۴۷

۸۴۔ النساء ۴: ۸۲

۸۵۔ الموافقات، ۳/۶۴۷

۸۶۔ النصر ۱:۱۱۰

۸۷۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: فسبح بحمد ربک واستغفر ہ انہ کان توابا، حدیث: ۴۹۷۰

۸۸۔ الموافقات، ۳/۶۴۷، ۳/۶۴۸

۸۹۔ المائدہ ۵: ۳

۹۰۔ الموافقات، ۶۴۸/۳

۹۱۔ الحشر ۵۹: ۱۳

۹۲۔ الموافقات، ۶۴۸ /۳

۹۳۔ الحشر ۵۹: ۱۳

۹۴۔ التوبہ ۹: ۱۲۷

۹۵۔ الموافقات، ۶۴۸ /۳

۹۶۔ ایضاً، ۶۵۰ /۳

۹۷۔ ایضاً، ۶۵۳ /۳

۹۸۔ ایضاً، ۶۴۹ /۳

۹۹۔ النحل ۱۶: ۱۰۳

۱۰۰۔ النحل ۱۶: ۱۰۳

۱۰۱۔ الموافقات، ۳/۶۵۱

۱۰۲۔ حم السجدۃ ۴۱: ۴۴

۱۰۳۔ الموافقات، ۳/۶۵۱

۱۰۴۔ ایضاً، ۳/۶۴۹

۱۰۵۔ العنکبوت ۲۹: ۴۱

۱۰۶۔ البقرہ ۲: ۲۶

۱۰۷۔ الموافقات، ۳/۶۴۸

۱۰۸۔ البقرہ ۲: ۲۴۵

۱۰۹۔ آل عمران ۳: ۱۸۱

۱۱۰۔ الموافقات، ۳/۶۴۹

۱۱۱۔ القمر ۵۴: ۱۴

۱۱۲۔ یس ۷۱:۳۶

۱۱۳۔ الشوریٰ ۴۲:۱۱

۱۱۴۔ الموافقات، ۳/۶۵۰

۱۱۵۔ العمران ۳:۱۳۸

۱۱۶۔ ایضاً، ۳/۶۵۱

۱۱۷۔ ایضاً، ۳/۶۵۲